واقعۂ عام الفیل اور رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت

تحریر: ڈاکٹر اسماعیل احمد ادہم☆　　ترجمہ: عمر فاروق☆☆

ABSTRACT

This is the translation of an article by an Egyptian scholar of Turkish origin Dr. Ismail Ahmad Adham (d. 1940), who was essentially a mathematician and physicist for having doctorate in both the subjects. In addition, he was fully adept in literary criticism, history and theology, having direct access to the basic sources in as many as eight languages of the East and the West. This article probes into an important historical incident of pre-Islamic era marked by Arab historians as Safar-ul-Fil (the journey of the elephants). But, the narratives of this incident put

---

☆ ڈاکٹر اسماعیل احمد ادہم مصر کے علمی و ادبی حلقوں کی ایک معروف شخصیت تھے۔ بنیادی طور پر وہ ریاضیات اور طبیعیات کے عالم تھے اور ہر دو مضامین میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے حامل۔ مصر کے بعض ادبی مجلوں کی ادارت اور تنقیدی مطالعات کے علاوہ تاریخ اور مذہبیات بھی ان کا موضوعِ تحقیق رہے۔ مشرق ومغرب کی آٹھ عالمی زبانوں (عربی، ترکی فارسی، جرمن، روسی، اطالوی، انگریزی اور فرانسیسی) میں مہارت رکھنے کے باعث ان کی دست رس میں وہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ علمی ذخائر بھی تھے جو دیگر لوگوں کی نظر سے اوجھل رہے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اپنے معاصرین میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے۔ تاہم، وفات (۱۹۴۰ء) کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کا نام اور کام گم نامی کی نذر ہو گیا۔ کوئی تیس برس بعد مصر ہی کے ڈاکٹر **أحمد إبراهم الهواري** نے اپنے اس ترکی نژاد ہم وطن محقق ڈاکٹر **إسماعيل أحمد أدهم** کی تصنیفات اور بکھرے ہوئے تحقیقی مقالات کو تلاش کیا اور ایک مجموعے کی شکل میں یکجا کر دیا، جسے قاہرہ کے معروف اشاعتی ادارے (**دار المعارف**) نے شائع کیا۔ زیرِ نظر مضمون اس مجموعے کی تیسری جلد بعنوان: (**قضايا ومناقشات**) سے لیا گیا ہے، جو ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔

☆☆ ریسرچ ایسوسی ایٹ، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IRI, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

by them in black and white date back only to the third century A.H., relying upon the oral tradition passed on from olden Arabs. These narratives were diffused with imagination by the transmitters who got influenced by a sort of instinctive inclination of man toward storytelling, which took them astray to weave a fabric of alluring tales around what the Quran has related in a precise manner. On the other hand, the historical sources contemporary to the incident, which are Greek ones, clearly narrate that the Abyssinians (Ethiopians), who ruled Yemen at that time (i.e. 540 A.D.), did not send their forces to Hejaz in order to attack Mecca and demolish the Kaaba for its so-called rivalry to the temple they had erected in the capital of Yemen. Instead, the Abyssinian army advanced under the command of Abraha al-Ashram to attack Persia in her borders with Arabian lands to help out the Roman Empire in its war with the rival Empire of Persia on the request of the Emperor Justinian who had earlier facilitated the occupation of Yemen for the forces of Negus, king of Abyssinia. The long natural passage leading to Persia from Yemen goes by Hejaz ending up in the valley of Rumma, a tributary to the Euphrates in Iraqi soils bordering Persia. The Abyssinians took that path of necessity. But, their march came to an end near Hejaz, for being hit by a severe attack of the epidemical disease of smallpox (as told by the Arab historians as well who used the exact Arabic

word: Judri for that) which destroyed most of the Abyssinian army. The remaining came under the assault of simoom (hot sandstorm) which they were not used to. (Be kept in mind that Arabs also used the word Waba [epidemic] for the sand-laden hot desert wind [ar-Rih as-Samum]). Whatsoever be, the Arabs of Hejaz took the Abyssinian advancement towards Persia as an attack on Hejaz and especially on the Kaaba of Mecca, their sacred centre. But, when they saw the Abyssinians devastated by the hot sandstorm or smallpox (or by the both), they thought it to be the Divine Providence worked in their favour. This was all what gave the impulse to the imagination of later transmitters and they laid stories of rivalry to the Kaaba. The Arab historians also relate this incident to the birth of the Prophet of Islam, which took place in 570 A.D. as the researchers clearly assert. While the year of the incident ('Am-ul-Fil) is 540 A.D. as indicated by the Arab historians themselves. So, there is no link found between 'Am-ul-Fil and the birth of the Prophet that occurred some thirty years aftter the incident of Safar-ul-Fil.

عام الفیل:

تاریخ سے دل چسپی رکھنے والے علمی، تحقیقی حلقوں میں یہ بات معروف رہی ہے کہ یونانی مصادر میں حجاز پر اہلِ حبشہ کے حملے اور ہاتھیوں کے سفر کا ذکر نہیں پایا جاتا۔[۱] تاہم، معروف مستشرق عالم نولد کے

۱- Caussin de Percival فــــي *Essai sur l'Histoire des Arabes avant l'Islams*، پاریس ۱۸۴۷ء، ص ۱۴۵

(Theodor Noldeke) نے اہلِ فارس اور رومیوں کے تعلقات کی تاریخ پر اپنی شائع کردہ تحقیقات[٢] میں واضح کیا ہے کہ یونانی مؤرخ پروکوپ (Prokop/ Procopius of Caesarea)، اہلِ حبشہ کے حجاز پر حملے کا ذکر کرتا ہے جو رومیوں کے ایما سے کیا گیا۔[٣] اس انکشاف کے بعد سے تاریخی مطالعہ جات ایک نئی جہت اختیار کر لیتے ہیں، جس کے مطابق واقعات کا مطالعہ یونانی مصادر کے لحاظ سے کیا جاتا ہے اور اسی حوالے سے عرب مؤرخین کی تصنیفات میں مذکور متعلقہ تاریخی وقائع کی چھان پھٹک کی جاتی ہے۔[٤] عرب مؤرخین کا زمانہ، جاہلی دور کے واقعات سے کوئی تین صدیاں بعد کا ہے اور اس دوران عربوں کے ما قبلِ اسلام زمانے کے وقائع، زبانی روایات کی شکل میں بیان کیے جاتے رہے۔ ان تاریخی واقعات و حوادث میں اس بات کے قوی عناصر موجود تھے کہ انھیں بیان کرتے وقت لوگ اپنے فطری داستانوی مزاج کا اثر قبول کریں اور یوں اصل واقعات کے گرد اپنے دور کی مخصوص چھاپ کے حامل قصہ جات کا اضافہ کر دیں۔ اس انداز پر جب عربوں کے جاہلی دور کی تاریخ تیسری صدی ہجری کے دورِ تدوین تک پہنچی تو وقائع کی اصلیت ان اساطیری حکایات کے تانے بانے میں گم ہو چکی تھی جو ان پر غلبہ حاصل کیے ہوئے تھیں۔[٥] یہیں سے یونانی مصادر کی تاریخی اہمیت کا پتا چلتا ہے کہ وہ اس دور کے واقعات کی معاصر تاریخ ہیں، لہٰذا عربوں کی تاریخی روایات کے مطالعے اور اصل تاریخی حقائق کے استنباط میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

یونانی مؤرخ پروکوپ (Procopius) لکھتا ہے کہ شہنشاہ Justinian کی بادشاہت کے پانچویں سال، یعنی تقریباً ۵۳۰ء میں اہلِ حبشہ نے یمن پر حملہ کیا اور وہاں قابض ہو گئے۔ پروکوپ ایک دوسرے یونانی مؤرخ یوحنا کے حوالے سے اس حملے کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یوسف ذو نواس (جسے یوحنا، Dimnon کے نام سے پکارتا ہے) نے روم کے بعض نصرانی تاجروں کا قافلہ روکا اور انھیں قتل کر دیا۔ جب کہ نجران کے نصرانیوں کو اسیر کر کے غلام بنا لیا۔ یوں اس نے یونانیوں کی عربوں کے

٢- Theodore Noldcke فی *Geschichte der Perser und araberzur zeit der Sasaniden*، لیدن ۱۸۷۹م، ص ۲۰۰

٣- Prokop فی De Bello Persico، ۱۸۳۳م، ج ۱ ص ۴۲۰، ۱۰۴، ۱۰۷

٤- Leone Ceatani فی Annali del l'Islam، میلانو ۱۹۰۵م، فقرۃ ۱۱۱ و ۱۱۷

٥- I. A. Edham فی *Islam Tarcki*، اُستانبول ۱۹۳۵م، ج ۱ ص ۲۹۱، وكذا: من مصادر التاريخ الإسلامي، الإسكندرية ۱۹۳٦م

ساتھ تجارت کا راستہ روکنا شروع کر دیا، جس کے نتیجے میں تجارت کساد بازاری کا شکار ہوگئی اور اقتصادی حالت بد تر ہو کر رہ گئی۔ یمنی قبائل کو اس سیاسی دخل اندازی سے بہت نقصان پہنچا، اور وہ اپنے ایک وثنی سردار ایدوج کی قیادت میں ذونواس سے جنگ کرنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے مابین کئی معرکے ہوئے اور آخرِ کار ذونواس کے لشکریوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ مارا گیا۔ ادھر اہلِ حبشہ نے جب دیکھا کہ اہلِ یمن آپس میں برسرِ پیکار ہیں، تو ان کی باہمی لڑائیوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ابرہہ (جو دراصل Adulis کی سرحد پر اقامت پذیر رومی تاجروں میں کسی کا غلام تھا) کی قیادت میں یمن پر حملہ کر دیا اور ایدوج کو قتل کر کے یمن کو نجاشیِ حبشہ کے زیرِ تسلط لے آئے۔[۶]

عربی مصادر میں ایدوج کا نام ارباط درج ہے اور اسے ایک حبشی سپہ سالار قرار دیا گیا ہے، نیز یہ کہ نجاشی کی طرف سے اس نے ذونواس کے ساتھ جنگ کی تھی اور یمن پر قبضہ کر کے وہاں حکومت قائم کر لی۔ لیکن اس کی فوج کے ایک سردار ابرہہ (أبرهة الأشرم) نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی حکومت کا تختہ الٹ کر اسے قتل کر دیا اور شاہِ حبشہ کے نام سے پورے یمن پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔[۷] یونانی اور عربی مصادر کے اس اختلاف کو از روئے تحقیق پرکھا جا سکتا ہے، لیکن اس مضمون میں ہمارا یہ موضوعِ بحث نہیں۔ یہاں فقط یہ بتانا مقصود ہے کہ عربی مصادر یونانی مصادر کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ یمن ذونواس (Dimnon) کے بعد اہلِ حبشہ کے زیرِ نگیں آ گیا۔[۸] پھر اہلِ حبشہ کی یمن پر حکومت کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ شہنشاہ Justinian نے Julian نامی اپنا ایک سفیر نجاشی کے پاس بھیجا اور اہلِ فارس کے خلاف اسے رومیوں کے ساتھ معاہدے کی درخواست کی، جس میں اہلِ حبشہ کو جزیرہ نمائے عرب کی جانب سے فارس کی جنوب مغربی سرحد پر حملہ آور ہونا تھا، تاکہ روم و فارس کی حدود پر جاری جنگ میں رومیوں پر اہلِ فارس کا دباؤ کم ہو سکے۔[۹] یونانی تاریخی مصادر کے مطابق روم کی حبشہ کے ساتھ یہ سفارت کاری ۵۴۰ء میں عمل

۶- Prokop في المرجع السالف الذكر

۷- حسن إبراهيم حسن في تاريخ الإسلام السياسي، القاهرة ۱۹۳۵م، ج ۱ ص ۴۴، و: إسرائيل ولفنسون في تاريخ اليهود في الجاهلية وصدر الإسلام، ص ۱۱۶

۸- I. A. Edham في المرجع المذكور سابقاً ص ۲۹۲

۹- Th. Noldecke في المرجع السالف الذكر، ص ۲۰۰، ۲۰۱

میں آئی(۱۰) جب نجاشیِ حبشہ اور شہنشاہِ روم کے درمیان گہرے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ کسریٰ نوشیروان کے ساتھ اپنی جنگ میں، جو ۵۴۰ء میں شدت پکڑ چکی تھی، Justinian نے نجاشی کی مدد حاصل کرنے میں یقیناً اس کے ہم مذہب ہونے کے ساتھ ان ذاتی تعلقات کو بھی بنیاد بنایا۔(۱۱)

رومیوں کی اہلِ فارس کے ساتھ جنگ میں اہلِ حبشہ کی طرف سے ان کی مدد کا خیال محض ایک خیال ہی تھا، جو حقیقت کی دنیا سے دور کا تعلق نہیں رکھتا تھا، کیونکہ اہلِ حبشہ کے پاس اتنا بڑا بحری بیڑا موجود نہیں تھا جو خلیجِ فارس کی جانب سے فارس پر ان کا حملہ ممکن بنا سکے۔ اسی طرح وہ عرب و فارس کی حدود سے حملے کے لیے جزیرہ نمائے عرب کے اندر یمن میں اپنے ٹھکانے سے بھی فوج نہیں بھیج سکتے تھے، کیونکہ عرب کا (دشوار گزار وسیع و عریض) ناہموار علاقہ اس قسم کے حملے کا امکان رد کر دیتا ہے۔(۱۲) اہلِ روم اور ان کا شہنشاہ اس صورتِ حال سے ناواقف تھے، مگر نجاشی پر حقیقت واضح تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ لیت ولعل سے کام لیتا رہا اور فارسیوں کے خلاف رومیوں کی فی الواقع مدد کرنے سے معذرت کرتا رہا۔(۱۳) لیکن جب 540ء میں جنگ کی شدت اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور Justinian نے اپنا خاص نمائندہ Julian نجاشی کے پاس بھیجا، تو مجبور ہو کر نجاشی نے، از رہِ مروت، یمن پر مقرر اپنے عامل ابرہہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوج کی کچھ ٹکڑیاں شمال کی جانب فارس کی حدود پر حملے کے خیال سے روانہ کر دے۔ یمن سے فارس تک کا لمبا قدرتی راستہ مکہ سے گزر کر قدیم دور میں دریائے فرات کو بارش کا پانی مہیا کرنے والی وادیِ رمہ (وادي الرُّمَّة) میں پہنچ کر ختم ہوتا تھا۔(۱۴) اہلِ حبشہ کی یمنی فوج نے یقیناً شمال کو جانے والا یہی راستہ اختیار کیا۔ لیکن روانہ کردہ یہ فوج حجاز کے پاس پہنچ کر بری طرح تھکن کا شکار ہو گئی۔ بہت سے لشکریوں کو بیماری چاٹ چکی تھی۔

۱۰- Leone Ceatani في الكتاب المذكور، فقرة ۱۰۸، الحاشية رقم ۱

۱۱- الكاتب في الكتاب المذكور له ص ۲۹۲ و كذلك ص ۲۰۰

۱۲- البرنس ليون كاتياني في الحوليات الإسلامية ميلانو ۱۹۰۵م، فقرة ۱۰۸

۱۳- Prokop في *De Bello Persico*، ج ۱، ص ۲۰ و ۱۰۴ و ۱۰۷

۱۴- Charles M. Soughty في *Travels in Arabian Deserts*، كامبردج ۱۸۸۸م، ج ۲، ص ۳۲۹، و: D.G. Hogalh في *The Near East*، لندن ۱۹۰۲م، ص ۶۹، ۷۱، ۷۲، ۷۶.

چیچک کے وبائی مرض نے ان کا ستیا ناس کر دیا تھا۔[۱۵] چنانچہ حبشہ والے مجبور ہو گئے کہ اپنی فوج واپس بلا لیں اور رومیوں سے اپنے نقصانات کا ذکر کرتے ہوئے آگے جانے سے معذرت چاہیں۔ ادھر حجاز کے باشندے (اپنے خیال میں) اہلِ حبشہ کے اس ٹھاٹھیں مارتے لشکر کی پیش قدمی سے بری طرح خائف ہو گئے تھے اور اسے خود پر حملہ آور تصور کرنے لگے۔ مگر جب یہ لشکر وبائی مرض کا شکار ہوا، تو عرب (اہل حجاز) اسے اپنے لیے عنایتِ خداوندی سمجھے، جس نے انھیں حبشہ والوں کے شر سے محفوظ رکھا☆۔[۱۶] یہ وہ تاریخی واقعہ ہے جس کے گرد (سفرِ فیل) سے متعلق عربوں کی تمام روایات کا تانا بانا بنا گیا۔[۱۷]

عربی مصادر کے مطابق اہلِ حبشہ کی مکہ کی جانب پیش قدمی کا سبب لوگوں کو کعبہ سے روگرداں کرنے کی خاطر یمن کے دارالحکومت صنعاء میں ابرہہ اشرم کا تعمیر کردہ ایک ہیکل تھا۔[۱۸] جب کہ مسیحی مصادرِ تاریخ میں اس بات کا قطعاً ذکر نہیں ملتا کہ ابرہہ نے Arabia Felix میں کوئی ہیکل تعمیر کیا تھا۔[۱۹] مزید برآں، مؤرخ اوزیٹ اپنی (تاریخِ کنائس) میں عرب کے نصاریٰ، ان کے پادریوں اور معروف لوگوں کے ضمن میں ابرہہ اور صنعاء میں اس کی جانب سے ہیکل تعمیر کرنے کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔[۲۰]

۱۵- انظر: لنا تاريخ الإسلام،ص۲۹۴، وكذا انظر: كايتاني في الحوليات الإسلامية،ميلانو ۱۹۰۵م،فقرة ۱۰۸، و: تاريخ الخميس، بولاق ۱۳۰۲ھ،ص ۱۲، ۲۱۶، وعلى وجه خاص سطر ۱۹،ص ۲۱۶، وكذا: ابن دريد في الاشتقاق،ص ۱۰۱، سطر۳، و: ابن خلدون، طبعة بولاق، ج ۲،ص ۹۱،۶۲، و: تفسير الكشاف، طبع الهند، ج ۲،ص۱۶۳۲

☆ یمن سے فارس کے لیے روانہ ہونے والی حبشی فوج یقیناً اپنی راہ میں آنے والی کسی بھی بستی کو روندتی ہوئی وہاں سے اپنا زادِ راہ حاصل کرتی آگے بڑھتی۔ لمبی صرائی مسافت کے بعد حجاز اس فوج کے راستے میں آنے والی پہلی آبادی تھی۔ لازم بات ہے کہ وہ اس آبادی کو زیر کرتی آگے نکلتی۔ مگر وہاں تک پہنچتے پہنچتے صحرا کے سفر سے نامانوس اہل حبشہ کی یہ فوج بادِ سموم اور وبائی مرض کا شکار ہوگئی۔ یہی وہ عنایت الٰہی تھی جس نے اہل حجاز کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔(مترجم)

۱۶- تاريخ الأمم،ص ۲۹۵

۱۷- تاريخ الطبري، ج ۲،ص ۱۱۱ وما بعده، و: سيرة ابن هشام ج ۱،ص۴۳، ۶۱، و: أخبار مكة للأزرقي، ص ۸۶ ۱۰۲، و: أخبار الأول لابن إسحاق،ص ۱۹ ۲۱، و: سيد أمير علي في مختصر تاريخ العرب، لندن،ص ۴۱

۱۸- أبو صالح الأرميني في كنائس وبيع مصر وبعض الأقطار المجاورة، لندن ۱۸۹۵م،ص ۳۰۰- ۳۰۱ من الترجمة الإنجليزية وص ۱۳۹ من المتن العربي

۱۹- البرنس ليون كايتاني في الحوليات الإسلامية،ج ۱،فقرة ۱۰۸، الهامش رقم ۲

۲۰- المرجع السابق ذكره توا

یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ یمن کے بعض علاقوں اور نجران میں عیسائی آباد تھے۔ نیز اہلِ حبشہ کے عرصۂ حکومت کے دوران یمن میں عیسائی پادری بھی موجود تھے۔[۲۱] یہ پادری حضرات، جو بلا شبہہ اپنے لوگوں کے مذہبی معاملات کی پاسبانی کا فریضہ ادا کرتے تھے، یمن کے دارالحکومت میں اپنے لیے کوئی نہ کوئی ہیکل یا کنیسہ ضرور رکھتے تھے، اور بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ کنیسہ ہی عربوں کی مذکورہ روایات کی بنیاد بنا۔ عین ممکن ہے کہ اہلِ حبشہ، جو یقیناً نصرانی تھے، نے حاکمِ ملک ہونے کی رعایت سے اس کنیسہ کو اپنے مطابق زیب و زینت دی اور آراستہ کیا ہو۔ یہی بات صحرائے عرب کے بدوؤں اور اہلِ حجاز کے ہاں حبشہ والوں کی طرف سے اپنے ہیکل کو کعبے کے مقابل لانے کی کوشش سمجھی گئی۔ حالانکہ اس قسم کا تصور (قرائن کی رو سے بھی) محال نظر آتا ہے، خاص طور پر جب کہ اہلِ حبشہ کے متعلق اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ انھوں نے اس طرح کی کوشش کی ہو گی جیسا عرب مؤرخین کا کہنا ہے، تب بھی (یہ بات واضح ہے کہ) ان کی یہ کوشش عرب نصرانیوں کی خاطر ہی ہو گی، جو (لامحالہ) اپنے مذہب کے تحت کعبے سے (دیگر عربوں جیسا) تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اگر اس کوشش کو عربوں میں نصرانیت پھیلانے پر بھی محمول کیا جائے، تو اس نوعیت کا اہم واقعہ لازمی طور پر مشرقی کنیسہ جات کی تاریخ میں نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ بدیں وجہ عرب راویوں کی بیان کردہ حجاز پر حملے کی بات ہمارے نزدیک کسی صورت قابلِ قبول نہیں۔[۲۲]

اگر ہمارا یہ استقراء اور موضوع سے متعلق نقطۂ نظر درست ہے، تو اہلِ حبشہ کے مکہ و حجاز پر حملے کا صنعاء میں نصرانیوں کے ہیکل سے کوئی تعلق جڑتا نظر نہیں آتا۔ تاہم، یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ عرب مؤرخین اہلِ حبشہ کے اس حملے کو بالاتفاق (سفرِ فیل) کا نام دیتے ہیں، جو حبشی فوج میں ہاتھیوں کی موجودگی سے منسلک ہے۔[۲۳] لیکن یہ بات ہمیں (تحقیقی نتائج پر اثر انداز ہونے والے) اہم نقطہ ہائے نظر کی جانب لے جاتی ہے، جن کے مطابق بعض مغربی مؤرخین حبشی فوج میں ہاتھیوں کی موجودگی سے انکار کرتے دکھائی دیتے ہیں[۲۴]، بایں سبب کہ ان کے خیال میں ہاتھیوں کو یمن میں بحفاظت رکھنا اور نجران کے صحراؤں میں

۲۱- Adolf Harnack في *Die Mission und Ausbereitung des Christenthums in den Eastern rei Jahrhundert*، طبعة ليبزيغ ۱۹۰۲م، ج ۱، ص ۴۷۷، سطر ۲۰

۲۲- انظر: **لنا تاریخ الاسلام**، إستانبول ۱۹۳۵م، ص ۳۰۴ و ۳۰۵

۲۳- انظر المصادر الإسلامية والعربية في هذا الباب

۲۴- البرنس ليتون كايتاني في الحوليات الإسلامية، فقرة ۱۰۹، الهامش رقم ۱

چلانا امرِ محال کے ذیل میں آتا ہے۔[۲۵] علاوہ بریں، (اگر یہ بات درست ہے کہ حبشہ والے انھیں اپنے ساتھ یمن لائے، تو واضح رہے کہ) افریقی ہاتھی کو سدھانا نہایت مشکل ہے، بلکہ بعض علمائے حیوانیات اس بات کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔[۲۶] اسی ناممکن امر کے تحت مؤرخین اس نقطۂ نظر کو ترجیح دیتے ہیں کہ قدیم قرطاجنی جنگوں (Punic Wars) میں استعمال ہونے والے ہاتھی ہندوستان سے لائے گئے تھے۔[۲۷] لیکن اہلِ حبشہ کے ہندوستان سے ہاتھی لانے کے مفروضے کو قبول کرنے میں ایک جانب یہ امر حائل ہے کہ وہ ہاتھیوں کو سدھانے کا فن نہیں جانتے تھے[۲۸]، اور دوسری طرف یہ بات کہ اہلِ حبشہ کے پاس بحرِ ہند عبور کرنے کے لیے بحری بیڑا موجود نہیں تھا کہ جس میں ہاتھی وہاں سے لائے جاتے۔[۲۹] تاہم، مؤرخین کی نظروں سے اوجھل ذیل کی دو باتیں پیشِ نظر رکھی جائیں تو یہ اعتراضات (بہ سہولت) رد کیے جا سکتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اہلِ حبشہ نے یمن پر حملے کی وقت بابِ مندل اور بحیرۂ احمر پار کرنے کے لیے رومی بحری بیڑے سے مدد لی تھی۔[۳۰] دوسری بات یہ کہ رومیوں کے پاس بحرِ ہند میں حربی اور تجارتی دونوں قسم کے بحری جہاز موجود تھے۔[۳۱] یوں رومی جہازوں کے ذریعے ہندوستان سے ہاتھی لانا (بہ آسانی) ممکن ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ اہلِ حبشہ نے فارس کی طرف اپنی فوجی پیش قدمی میں ہاتھیوں کو چلانے کے لیے ہندوستانی مہاوتوں کی معاونت حاصل کی۔ لہٰذا رومیوں کا اہلِ حبشہ کے ساتھ تعاون اور حبشی حملے کا مقصد جو (جوابی ضرورت کے تحت) فارس کی جنگ میں اہلِ حبشہ کا رومیوں کی مدد کرنا تھا، ہر دو امور سے اہلِ حبشہ کے اس حملے کو (سفرِ فیل) کا نام دینے کی وجہ بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

حبشی فوج شمال کی جانب روانہ ہوگئی، لیکن مکہ کے قریب ہی پہنچی تھی کہ اس پر جان لیوا مصیبت آ

۲۵- انظر لنا: **تاریخ الاسلام**، ص ۳۰۴ وما بعده

۲۶- Edmond Pierrier في *La Vie des Animaux Illustrée*

۲۷- Edward Charton فـــــي Voyages Anciens et Monderaes، باریس ۱۸۶۷م، ج ۲، ص ۲۹، وکذا: P. Armandi في *Histoire Militaire des éléphants*، باریس ۱۸۴۳م، ص ۱۲.

۲۸- **لیـون کـایتـانـي في الحولیات الإسلامیة**، فقرة ۱۰۹، **وهـوامشهـا. ومـمـا یـحسـن الإشارة إلیه هنا أن الأحباش استعملوا فیلة هندیة في حروبهم.** [انظر: Henry Zule في *The Book of M. Blo*، لندن ۱۹۰۳م]

۲۹- ابن جریر الطبري، **طبعة دي غوییه**، ج ۱، ص ۹۲۲، س ۸.

۳۰- نولدکه في *Geschichte der Pesser*، ص ۱۸۸، هامش رقم ۱.

۳۱- نفس المرجع

نازل ہوئی۔ بعض عربی مصادر اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ نازل ہونے والی یہ مصیبت حبشی فوج میں چیچک کی وبا کا پھیل جانا تھا۔[۳۲] قرآن میں (اصحابِ فیل) کے تذکرے میں اس بات کا واضح اشارہ پایا جاتا ہے کہ عرب نہ صرف (سفرِ فیل) سے آگاہ تھے، بلکہ یہ واقعہ نزولِ قرآن سے تھوڑا عرصہ قبل ہی پیش آیا تھا۔ لیکن قرآن کے موجز بیان کو عرب راویوں نے (خیال کے گھوڑے دوڑا کر خوب) پھیلایا اور تاریخ، سیرت اور ادب کے کتابوں کو اپنے بیانات سے بھر دیا۔ (اس سلسلے میں) شاعری کے کچھ نمونے بھی ملتے ہیں، جن میں سے بعض مثلاً عبد اللہ بن الزِّبَعریٰ سے منسوب ہیں، اور کچھ اُمیۃ بن اَبِي الصَّلت کے نام۔

اوّل الذکر سے منسوب ابیات یہ ہیں: [از بحرِ کامل]

وَتَنَكَّلُوْا عَنْ بَطْنِ مَكَّةَ إِنَّهَا
كَانَتْ قَدِيْماً لا يُرامُ حَرِيْمُهَا
لَمْ تَخْلُقِ الشِّعْرَى لَيَالِيَ حُرِّمَتْ
إِذْ لا عَزِيْزَ مِنَ الْأَنَامِ يَرُوْمُهَا
سَائِلْ أَمِيْرَ الْجَيْشِ عَنْهَا مَا رَأَى
وَلَسَوْفَ يُنْبِي الْجَاهِلِيْنَ عَلِيْمُهَا
سِتُّوْنَ أَلْفاً لَمْ يَؤُوْبُوْا أَرْضَهُمْ
بَلْ لَمْ يَعِشْ بَعْدَ الإِيَابِ سَقِيْمُهَا
كَانَتْ بِهَا عَادٌ وَجُرْهُمُ قَبْلَهُمْ
وَاللّٰهُ مِنْ فَوْقِ الْعِبَادِ يُقِيْمُهَا

جب کہ أمية بن أبي الصَّلت کے نام یہ اشعار منسوب ہیں [یہ اشعار ابوقیس بن الاسلت الانصاری سے بھی منسوب کیے جاتے ہیں۔]: [از بحرِ متقارب]

وَمِنْ صُنْعِهِ يَوْمَ فِيْلِ الْحُبُوْ
شِ إِذْ كُلُّ مَا بَعَثُوْهُ رُزِمْ

۳۲- الطبري، ج ۳، ص ۱۱۱، وما بعده، و: سيرة ابن ہشام، ج ۱، ص ۴۳ ۶۱؛ و: أخبار مكة للأزرقي، ص ۸۶ ۱۰۲، و: ابن خلدون، طبعة بولاق، ج ۲، ص ۶۱ ۶۲، و: الزمخشري في الكشاف، طبع الهند، ج ۲، ص ۱۶۳۲؛ و السيرة الحلبية، ج ۱، ص ۸۱، و۸۲، طبعة مصر ۱۲۸۰ھ، و: تاريخ الخميس، طبع بولاق، ج ۱، ص ۲۱۲ ۲۱۶، و: لي وجه خاص ص ۲۱۶، س ۱۹، وابن دريد في الاشتقاق، ص ۱۰۱، س ۳.

مَحَاجِنُهُمْ تَحْتَ أَقْرَابِهِ
وَقَدْ شَرَمُوْا أَنْفَهُ فَانْخَرَمْ
وَقَدْ جَعَلُوْا سَوْطَهُ مِغْوَلاً
إِذَا يَمَّمُوْهُ قَفَاهُ كُلِمْ
فَوَلَّى وَأَدْبَرَ أَدْرَاجَهُ
وَقَدْ بَاءَ بِالظُّلْمِ مَنْ كَانَ ثَمْ
فَأَرْسَلَ مِنْ فَوْقِهِمْ حَاصِباً
فَلَفَّهُمُ مِثْلَ لَفِّ الْقَزَمْ
تَحُضُّ عَلَى الصَّبْرِ أَحْبَارُهُمْ
وَقَدْ ثَأَجُوْا كَثُؤَاجِ الْغَنَمْ

ان ابیات سے یہ بات متبادر ہوتی ہے کہ (اصحابِ فیل) پر جو مصیبت نازل ہوئی، وہ دو طرح کی تھی: صحرائی آندھی اور وبائی مرض۔ واضح رہے کہ قدیم عربوں کے ہاں بادِ سَموم کو بھی وباء کا نام دیا جاتا ہے۔[۳۳] مندجہ بالا اشعار میں اس آندھی کو (حاصب) کے نام سے پکارا گیا ہے، یعنی وہ تیز ہوا جو گرد و غبار اڑاتی اور کنکریاں (حصباء) اپنے ساتھ لاتی ہے۔ تاہم، یہاں کھٹکنے والی بات یہ ہے کہ آخری شعر میں (اَحبار) کا لفظ وارد ہوا ہے، حالانکہ اہلِ حبشہ یہود نہیں تھے کہ اپنے ساتھ احبار لاتے۔ [نصاریٰ کے یہاں رُہبان اور قساوسہ ہوتے ہیں]۔ ان ابیات کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ انھیں اسلامی دور میں وضع کیا گیا، کیونکہ پرانے عرب اپنی زبان کے الفاظ کو غلط استعمال نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اسلامی فتوحات کے بعد دیگر اقوام کے ساتھ بہ کثرت میل جول سے زبان کی اغلاط عام ہوگئیں۔

ان تمام نتائج کے پیشِ نظر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ حبشہ کا (یمن سے ابرہہ کی قیادت میں) کسی اور غرض سے نہیں، بلکہ کعبہ ڈھانے کی نیت سے نکلنے کا قصہ جو شاعروں اور مورخوں نے بیان کیا اس وجہ سے ماقبلِ اسلام دور کا قرار نہیں دیا جا سکتا کہ اس میں خاصی غرابت پائی جاتی ہے۔ اس قصے کو زمانہ مابعدِ اسلام کی پیداوار کہنا چاہیے۔

لہٰذا اہلِ حبشہ کا فارس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے حجاز تک پہنچنے کا مقصد کعبہ کو ڈھانا اور لوگوں کو

۳۳- المرجع ذاته، ج ۱،ص ۳۱۵؛ و البرنس كايتاني في الحوليات الإسلامية،ج ۱،فقرة ۱۱۷ و ۱۱۹

اس سے ہٹانا ہرگز نہیں رہا، بلکہ یہ قصہ ظہورِ اسلام کے بعد سامنے آیا جب عربوں کے ہاں اسلام پوری طرح غالب آنے کے بعد سرزمینِ مشرق میں جڑیں پکڑ چکا تھا اور کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا، جس کی وجہ سے مکہ کی اہمیت وعظمت میں دہ چند اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ راویوں نے یمن میں نصرانیوں کے ہیکل اور فارس جاتے ہوئے اہلِ حبشہ کا حجاز تک پہنچ کر رہ جانے کے درمیان ربط پیدا کرنے کے لیے یہ قصہ وضع کیا۔ ہمارے پیش کردہ تاریخی حقائق (اور واقعاتی قرائن) سے ثابت ہو جاتا ہے کہ عربی کتب میں مذکور یہ قصہ دراصل تخیل ہی کا کرشمہ ہے اور اصل بات سے واقف نہ ہونے کے باعث جو اشتباہ پیدا ہوا، وہی اس قصے کا تانا بانا تیار کرنے اور افسانوی فضا پیدا کرنے میں کام آیا۔ جب کہ تاریخی حقیقت اس سے مختلف ہے جو ہم نے بیان کی اور جس سے عربوں کی قبل از اسلام تاریخ کے اس واقعے سے داستانوی غبار صاف ہو جاتا ہے۔[۳۴]

ولادتِ رسولؐ:

بہت سے مؤرخین نے پیدائشِ رسولؐ اور عام الفیل کے درمیان ربط پیدا کرتے ہوئے اسے نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ عنایتِ خداوندی نے پیغمبرؐ کی تکریم میں اہلِ حبشہ کے حملے کو ناکام بنا دیا، کہ وہ اس وقت اپنی والدہ کے بطن میں تھے۔[۳۵] جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نبوتِ رسولؐ فی نفسہ اپنی سچائی کے دلائل کی حامل ہے اور کسی خارجی دلیل کی محتاج نہیں۔ نیز پیغمبرؐ کی زندگی اس بات پر شاہد ہے کہ انھوں نے عمر بھر اخلاص اور دیانت سے کام لیا۔ محض یہ بات ان کی نبوت پر وارد کسی اعتراض کو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔[۳۶]

اہلِ حبشہ کا (سفرِ فیل) کے نام سے معروف یہ حملہ ۵۴۰ء میں وقوع پذیر ہوا[۳۷] جیسا کہ مذکورہ بالا تحقیقی نتائج سے ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ پیغمبرِ اسلام کی ولادت محققین کے نزدیک 570ء میں ہوئی۔[۳۸] اس لحاظ سے عام الفیل (سفرِ فیل کے سال) اور پیدائش رسولؐ کے مابین کوئی تعلق نہیں بنتا۔ دونوں کے

۳۴- انظر أثر ذلک في التاریخ العربي والجاهلي في تاریخ الإسلام ج ۱، ص ۳۹۰، وما بعده.

۳۵- الطبری، ج ۱، ص ۹۶۷ ۹۶۸.

۳۶- لیون کایتاني، الحولیات الإسلامیة، المقدمة.

۳۷- نولدکه في تاریخ القدس، ص ۲۰۵، الهامش.

۳۸- Baussin de Percival فـــي *Essai sur l'Histoire des Arabes*، ج ۱، ص ۲۸۲ ۲۸۳، و: de Sacy في 7 ém de l' Academic XLVII، ص ۵۳۰.

درمیان کوئی تیس برس کا فرق ہے، جو انھیں ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ بعض عرب مؤرخین بھی اس زمانی بعد کا ذکر کرتے ہیں، جیسے مفسر بغوی نے لکھا ہے کہ: (سفرِ فیل) ولادتِ رسولؐ سے تقریبا چالیس برس قبل پیش آیا۔[۳۹] جب کہ محمد بن سائب کلبی نے اسے تیئیس برس کا عرصہ بتایا ہے۔[۴۰] دوسری طرف ہم تاریخی لحاظ سے یہ بھی جانتے ہیں کہ ابرہہ کے جانشینوں نے یمن پر تقریباً اکتیس سال حکومت کی[۴۱] اور 570ء میں قدس کی افواج یمن سے اہلِ حبشہ کو نکالنے کے لیے پہنچیں[۴۲]۔ اس طرح ابرہہ کی یمن پر حکومت کا سال 540ء کے لگ بھگ ہی بنتا ہے۔ کچھ عربی مصادر میں بالواسطہ طور پر اس بات کی تائید کی گئی ہے۔ ان کے مطابق اہلِ حبشہ کے یمن پر قبضے کے پچاس برس بعد پیغمبرِ اسلامؐ کی پیدائش ہوئی[۴۳]، اور پیدائشِ رسولؐ کے دو سال بعد انھیں وہاں سے نکالا گیا[۴۴]۔ اس ساری بحث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیدائشِ رسولؐ اور عام الفیل کا باہم کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ پیغمبرِ اسلامؐ عام الفیل کے کوئی تیس برس بعد پیدا ہوئے۔[۴۵]

یہاں اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس واضح تاریخی حقیقت کے باوصف کہ اہلِ حبشہ کا حجاز پر معروف حملہ ۵۴۰ء پیش آیا اور پیدائشِ رسولؐ ۵۷۰ء میں ہوئی، تاریخِ اسلام پر کام کرنے والوں نے (بہ تکرار) اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے کہ پیدائشِ رسولؐ کا سال اور عام الفیل ایک ہی ہے۔ ان میں سے کچھ حضرات اس اعتبار سے عذر رکھتے ہیں کہ انھیں تازہ تحقیقات سے آگاہی حاصل نہ تھی۔ لیکن یونیورسٹیوں کے ان اساتذہ کو کیا عذر حاصل ہے جن کی تصنیفات میں انھی تازہ تحقیقات کے تمام مصادر کا ذکر پایا جاتا ہے، لیکن پھر بھی وہ اسی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلامؐ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔[۴۶]

۳۹- ليون كايتاني في الحوليات، ميلاد الرسول

۴۰- المرجع السابق الذكر توا، ميلاد الرسول

۴۱- نولدكه في تاريخ الفرس، ص ۱۲۰، هامش رقم ۳

۴۲- نفس المرجع

۴۳- البيرونی Chron، ص۴، س۲۴

۴۴- الأزرقي في تاريخ مكة، ليبزيغ ۱۸۵۸م، ص۹۲، س۲، وما بعده.

۴۵- Sprenger في *Zietschrift der Deutschen Iorrgenlandischen*، ج ۱۳، ص ۱۳۷ و۱۴۲.

۴۶- حسن إبراهيم حسن في تاريخ الإسلام (العصر العباسي)، ج ۱، فصل تعرض الأحباش لليمن وحربهم على عرب الحجاز، وقابله بما يذكره من مولد الرسول

تاریخی حقائق بہر صورت عام الفیل اور پیدائشِ رسولؐ کے درمیان کسی مذکورہ تعلق کا انکار کرتے ہیں اور تحقیقات ان کے درمیان تیس برس کے عرصے کا فرق واضح کرتی ہیں۔ ہمارا یہ مضمون، امید ہے، محققین کی اس غلطی کا تدارک کر سکے گا۔

[یہ مضمون ابتدائی طور پر مصر کے ایک ادبی، تحقیقی مجلّے (الرسالة) کے شمارہ نمبر 349، مارچ 1940ء، میں شائع ہوا تھا۔ آئندہ شمارے میں اس پر کچھ اعتراضات اور استفسارات بھی سامنے آئے، جن کا مضمون نگار کی طرف سے جواب پیش کیا گیا۔ یہ اعتراضات اور ان کا جواب بھی اصل مضمون کے ساتھ بطور ضمیمہ منسلک ہیں۔ یہاں ان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔]

اعتراضات/ استفسارات

ڈاکٹر اسماعیل ادہم کے مضمون (عام الفیل و میلاد الرسول) کے حوالے سے مجلّے کو ایک قاری کا خط موصول ہوا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

''میں نے عام الفیل اور ولادتِ رسولؐ کے بارے میں آپ کا مضمون پڑھا۔ ولادتِ رسولؐ کے بارے میں آپ کی تحقیق مجھے بے حد پسند آئی۔ اسی طرح اہلِ حبشہ کے فوجی حملے میں ہاتھیوں کی موجودگی کے بارے میں بھی آپ نے خوب دادِ تحقیق دی۔ لیکن مضمون میں وارد ذیل کے امور میرے لیے اشکال کا باعث ہیں۔ امید ہے آپ ان کی وضاحت فرمائیں گے:

۱- آپ نے ذکر کیا کہ نجاشی کی رائے میں اس حملے کا خیال محض خیال ہی تھا، جسے عملاً بروئے کار نہیں لایا جا سکتا۔ سوال یہ ہے کہ ابتدائی دور کی ایک قوم سے تعلق رکھنے کے باوصف نجاشی کو اس بات علم کیوں کر ہوا؛ جب کہ رومی، جو علم و دانش کی پروردہ ایک تہذیبی قوم تھے جنھیں جنگی فنون میں مہارت اور ملکوں کے حالات کا پورا ادراک تھا، انھیں یہ بات معلوم نہ رہی؟

۲- آپ نے ذکر کیا کہ خلیجِ فارس کی طرف سے نجاشی کا رومیوں کی مدد کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ اہلِ

حبشہ کے پاس اپنا لشکر فارس کے ساحل پر منتقل کرنے کے لیے بحری بیڑا نہیں تھا۔ جبکہ دوسری طرف آپ نے کہا ہے کہ رومیوں کے پاس بحیرۂ احمر اور بحرِ ہند میں بحری بیڑا موجود تھا، جس کے ذریعے حبشی فوج یمن پہنچی اور اسی پر ہندوستان سے ہاتھی لائے جاتے تھے۔

۳- آپ نے لکھا کہ اہلِ حبشہ کا حجاز پر حملہ رومیوں کی ترغیب سے عمل میں آیا، لیکن بعد ازاں آپ کا کہنا ہے ان کا مقصد حجاز پر حملہ کرنا نہ تھا، بلکہ وہ رومیوں کی مدد کے لیے جا رہے تھے۔

۴- حبشی فوج کی بربادی پر آپ کے تبصرے سے متبادر ہوتا ہے کہ بیماری اور وباء جو مکہ کے قریب ان پر نازل ہوئی، اس کا سبب عنایتِ خداوندی نہیں تھا۔ اہلِ حجاز غلط سمجھے کہ اہلِ حبشہ کا مقصد کعبہ کو گرانا ہے۔ لیکن یہ صرف اہلِ حجاز ہی کا خیال نہ تھا، بلکہ قرآنِ کریم بھی اس عنایتِ خداوندی کا اثبات کرتا ہے: ﴿**ألم تر کیف فعل ربک بأصحاب الفیل، ألم یجعل کیدھم في تضلیل**...الآیات﴾۔

۵- آپ نے یونانی تاریخی روایت کو عربی روایت سے متصادم بتایا ہے۔ جب کہ ان کے درمیان کوئی تناقض نظر نہیں آتا۔ کسی بات کے ایک سے زیادہ اسباب ہو سکتے ہیں۔ نیز اس سے عربی روایت پر کوئی حرف نہیں آتا کہ وہ رومی سفیر کو نجاشی کے پاس بھیجے جانے سے لاعلم ہے۔ کیونکہ یہ سفارت کاری نجاشی اور Justinian کے درمیان عمل میں آئی۔ جب کہ عرب اس وقت اس امر سے واقفیت حاصل نہ کر سکتے تھے۔'' (ایک قاری)

توضیح:

مجلّے کے شمارہ نمبر ۳۵۰ کی (ادبی ڈاک) کے ذیل میں محض (قاری) کے نام سے ایک فاضل قاری کا خط شائع ہوا ہے، جس میں میرے مضمون (شائع شدہ در شمارہ ۳۴۹) میں وارد کچھ باعثِ اشکال باتوں کے بارے میں استفسار کیا گیا ہے۔ میرے خیال میں رومیوں (بازنطینیوں) کی بلادِ عرب سے واقفیت محض نظری نوعیت کی حامل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شہنشاہ Justinian کی اپنے سپہ سالاروں کے مشورے سے وضع کردہ حکمتِ عملی مشرقِ قریب کے ممالک کے بارے میں بروئے کار آنے والی فوجی حکمتِ عملی کی طرح (بہ ظاہر) جنگی مہارت کی حامل دکھائی دیتی ہے، جس کے مطابق وہ اپنی سلطنت کی متصل حدود سے فارس پر حملہ آور ہوں گے اور ان کے حبشی حلیف فارس کی جنوب مغربی سرحد پر ہلّہ بولیں گے۔ یوں دوطرفہ حملے کے آگے

اہلِ فارس اپنی فوجوں کو تقسیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، جس سے رومیوں کے مقابل ان کی عددی طاقت کم ہو جائے گی اور رومی ان پر فیصلہ کن حملہ کر کے ملک سے باہر ان کا اثر و نفوذ ختم کر ڈالیں گے۔

اگر آپ نقشہ ملاحظہ کریں تو یہ حکمتِ عملی نہایت آسان اور فوجی مہارت پر مبنی نظر آتی ہے۔ لیکن جونہی اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جائے، تو حقیقت کا سامنا کرتے ہی اس کی ساری اہمیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ حبشہ کے سامنے فارس کی جغرافیائی حیثیت فارس پر حملے کا ہر امکان رد کر دیتی ہے، خواہ بحری راستے سے خلیجِ فارس میں داخل ہو کر حملہ کی کوشش کی جائے یا خشکی کے راستے عراق کی جانب سے فارس کی حدود پر حملے کی ٹھانی جائے۔ فارس حبشہ سے سمندر کے راستے ۲۰۰۰ سے ۲۵۰۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ دوسری طرف بری راستے سے جزیرہ نمائے عرب کے اندر یمن میں اہلِ حبشہ کے فوجی اڈے سے فارس کا فاصلہ ۱۰۰۰ کلومیٹر یا اس سے زیادہ ہے۔ سمندر کی طرف سے فوجی حملہ کرنے کے لیے کم سے کم ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل فوج درکار ہے، جسے فارس کے ساحل تک پہنچانے کے لیے ایک ہزار سے زائد بحری جہاز چاہئیں۔ جب کہ رومیوں اور اہلِ حبشہ، ہر دو سلطنتوں کے پاس باہم ملا کر بھی بحیرۂ احمر اور بحرِ ہند کے اندر اتنا بڑا بحری بیڑا موجود نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی سمندر کی جانب سے فارس پر حملہ ناممکن تھا۔ یہ بات اس سے متصادم نہیں کہ رومیوں نے بحیرۂ احمر میں اپنے مختصر بحری بیڑے کے ذریعے حبشی فوج کو یمن پہنچایا، جو محض چند ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، جنھوں نے یمن کے ساحلی علاقوں پر پیش قدمی کی اور وہاں قبضہ جما کر رسد اور کمک کے منتظر رہے اور رومی بیڑا وقتاً فوقتاً یمن کے بالکل مقابل افریقی ساحل سے انھیں یمن پہنچاتا رہا۔ میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ یمن اگر ایک متحد ملک ہوتا اور قبائل کی باہمی لڑائیوں، نیز ان کی اپنے بادشاہ کے ساتھ جنگ نے یمن کو کمزور نہ کر دیا ہوتا، تو اہلِ حبشہ اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ کبھی اسے فتح نہ کر سکتے۔ اس تجزیے میں محترم قاری کے دوسرے اشکال کا حل پنہاں ہے۔

جہاں تک خشکی کے راستے اہلِ حبشہ کے فارس پر حملہ کا تعلق ہے، تو واضح رہے کہ جزیرہ نمائے عرب کی ناہموار زمینی ساخت اس حملے کو ناممکن بنا دیتی ہے۔ اہلِ حبشہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ اپنے تجربے کی روشنی میں عسکری نقطۂ نظر سے جزیرہ نمائے عرب کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ کیونکہ وقتاً فوقتاً وہ نجران کے باغی قبائل کی سرکوبی کو فوجیں مہمیں روانہ کرتے رہے تھے اور انہیں پیش آنے والی کٹھنائیاں ضرب المثل بن چکی تھیں۔ چنانچہ یہ قطعاً اچنبھے کی بات نہیں کہ اہلِ حبشہ کا اس حملے کے بارے میں نقطۂ نظر رومیوں کے خیال سے زیادہ حقیقت کے قریب رہا تھا، اگرچہ علم و فہم اور فکر و فن میں رومی ان پر فائق تھے۔

پھر یہ بھی مستبعد نہیں کہ رومی ان دشواریوں سے آگاہ رہے ہوں، لیکن فارس کے ساتھ ان کی طویل جنگ نے انھیں وہم و خیال کا سہارا لینے پر اکسایا ہو، کہ جس مشکل میں وہ پھنسے ہوئے ہیں، شاید اس سے نکلنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اس موقف کی نظیر موجودہ دور میں [اس مضمون کی تحریر کے زمانے، یعنی دوسری عالمی جنگ دوران] ہٹلر کے ذہن سے کھیلنے والے خوابوں خیالوں میں دیکھی جا سکتی ہے کہ اس کے خیال میں اس کے روسی حلیف ہندوستان پر حملہ کر کے وہاں انگلستان کو نقصان سے دوچار کر سکتے ہیں، حالانکہ سب پر عیاں ہے کہ اس خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان کیا کیا صعوبتیں اور کون کون سی اوگھٹ گھاٹیاں درپیش ہیں۔ اہلِ ہند اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔ لہٰذا وہ بجا طور پر اسے ناممکن قرار دیتے ہیں۔ جب کہ جرمنوں کو ہٹلر کے تصور، بلکہ اس کی کامیابی کے تصور میں برطانیا کو تاخت و تاراج کرنے کی خواہش آمادۂ پیکار کیے ہوئے ہے۔ لیکن اس بات سے ان کے علم وفن اور سائنسی ترقی پر یقیناً کوئی زد نہیں پڑتی کہ جس کے باعث وہ دنیا کی اکثر قوموں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اگر یہ چیز مدِ نظر رکھیں تو پہلا اشکال خود بخود رفع ہو جاتا ہے، خاص طور پر جب کہ ماضی کی نہیں، بلکہ موجود دور کی تاریخ کا سبق ہمارے سامنے ہے۔

فاضل قاری کا کہنا ہے کہ میں نے مضمون کی ابتدا میں لکھا کہ یونانی مؤرخ پروکوپ رومیوں کی ترغیب سے اہلِ حبشہ کے حجاز پر حملے ذکر کرتا ہے۔ جب کہ ان کا مقصد حجاز پر حملہ نہیں، بلکہ رومیوں کی مدد کرنا تھا۔ یہ بات درست ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا: رومیوں کے مسلسل اصرار پر نجاشی نے مجبوراً یمن پر مقرر اپنے عامل کو فارس پر حملے کے لیے شمال کی سمت فوجیں روانہ کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ فارس کی حدود تک پہنچنے کا قدرتی راستہ حجاز کے علاقے سے ہو کر گزرتا تھا، نیز حبشی فوج قدرت کی طرف سے چیچک کے وبائی مرض میں مبتلا ہوگئی، جس کے باعث بیش تر فوجی موت گھاٹ جا اترے، لہٰذا حبشہ والے مجبور ہو گئے کہ وہیں سے واپسی کی راہ لیں، اور رومیوں سے مطلوبہ تعاون کے سلسلے میں معذرت چاہیں۔ اس طرح رومیوں کی مدد کے لیے فارس پر ہونے والا حملہ حجاز تک پہنچ کر ختم ہو گیا، اور اہلِ حبشہ اس سے آگے نہ جا سکے۔ لہٰذا فارس کی جانب ان کی یہ پیش قدمی بہ ظاہر حجاز پر حملے کی شکل اختیار کر کے رہ گئی۔ جب کہ اصل محرک رومی تھے (جنھوں نے فارس پر حملے کے لیے مدد طلب کی)۔ اس پیش قدمی کا مقصد کسی صورت حجاز پر حملہ نہیں رہا۔ محترم قاری کے لیے مناسب ہو گا کہ پروکوپ کی تاریخ کا متن، اس پر نولدکے اور Leone Ceatani کی شروح، اور ان شروح پر میری تعلیقات ملاحظہ فرمائیں۔ ان مصادر کا ذکر میرے مضمون کے حوالہ جات میں موجود ہے۔ پروکوپ کے مطابق اہلِ حبشہ رومی شہنشاہ Justinian کی درخواست پر اس کی مدد کے لیے

فارس کی جانب روانہ ہوئے، لیکن اس کوشش میں وہ حجاز سے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ مضمون میں درج اس بات کی وضاحت ہے، جو کسی طرح بعد میں مذکور باتوں سے متصادم نہیں☆۔ (اسماعیل ادہم)

❁❁❁❁❁

☆ سورہ فیل کی آیات اور عنایت خداوندی کے لحاظ سے واضح رہے کہ یمن سے فارس کے لیے روانہ ہونے والی حبشی فوج اپنی راہ میں آنے والی کسی بھی بستی کو روندتی ہوئی وہاں سے اپنا زاد راہ حاصل کرتی آگے بڑھتی۔ لمبی صحرائی مسافت کے بعد حجاز اس فوج کے راستے میں آنے والی پہلی آبادی تھی۔ لازم بات ہے کہ وہ اس آبادی کو زیر کرتی آگے نکلتی۔ مگر وہاں تک پہنچتے پہنچتے صحرا کے سفر سے نامانوس اہل حبشہ کی یہ فوج بادسموم اور وبائی مرض کا شکار ہوگئی۔ یہی وہ عنایت الٰہی تھی جس نے اہل حجاز کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ اس سلسلے میں سورہ فیل کی شرح وتفسیر کے لیے دیکھئے: **تفسیر تدبر قرآن**، از مولانا امین احسن اصلاحی ؛ **مفہوم القرآن** اور **مطالب القرآن** از غلام احمد پرویز (مترجم)